مسلمان کے اوپر کافر کی ولایت
وسلطنت کا شرعی جائزہ

تحریر

مفتی عبید الرحمان صاحب
رئیس دار الافتاء والارشاد، مردان

مکتبہ دار التقویٰ، مردان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسلمان کے اوپر کافر کی ولایت وسلطنت کا شرعی جائزہ

تعارف موضوع

(یہ بات مشہور ہے اور کتابوں میں نقل ہوتی آرہی ہے کہ اسلامی ممالک میں کفار کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنا شرعاً منع ہے، یعنی اگر کسی کافر کو کوئی اہم اور کلیدی عہدہ دینا تو جائز نہیں، البتہ عام معمولی نگرانی وغیرہ یا مسلمانوں کے کاموں کی کچھ ذمہ داری دینے میں حرج نہیں۔ اس مقالہ میں اس مسئلہ کی تحقیق ہے کہ آیا کفار کو صرف کلیدی عہدے دینا ممنوع ہے یا ہر قسم تسلط اور ولایت کا اختیار دینا شرعاً ناجائز اور منع ہے؟ فاضل مؤلف حضرت مفتی عبیدالرحمان صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ: کفار کو ہر طرح عہدہ اور ولایت دینا شرعاً ناجائز ہے، اورانہوں نے اس بارے میں کئی ایک نصوص اور فقہاء کی عبارات سے استدلال کے ساتھ ساتھ اس بارے میں پائے جانے والی مشہور غلط فہمی کا بھی اصولی جواب ذکر کیا گیا ہے۔۔عادل رضا)

متعدد نصوص سے ثابت ہے کہ کافر کو مسلمان کے اوپر ولایت حاصل نہیں ہے۔ حضرات فقہائے کرام نے اس کے لئے جن دلائل سے استدلال فرمایا ہے، وہ درج ذیل ہیں:

پہلی دلیل: آیت کریمہ

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

{ وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا} [النساء: ١٤١]

ترجمہ:"اور (وہاں) اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر گز غالب نہیں کرے گا"۔

اس آیت مبارکہ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے اوپر ہر گز کچھ تسلط نہیں دیں گے۔ اس تسلط سے کیا مراد ہے اور یہ کس وقت کے متعلق ہے؟ اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں، عام مفسرین نے اس کا مفہوم یہ لیا ہے کہ قیامت کے دن کفار کو مسلمان کے اوپر دلیل قائم کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ اسی طرح آیت کریمہ بظاہر تکوین سے متعلق ہے جس میں تشریع کا صراحت کے ساتھ ذکر نہیں ہے، تاہم الفاظ میں احتمال کا دامن وسیع ہے اور متعدد فقہائے کرام نے اسی بنیاد پر اس سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ کافر کو مسلمان کے اوپر کچھ ولایت حاصل نہیں ہے، لہٰذا ایسے شخص کو مسلمانوں کے اوپر ولایت دینا جائز نہیں ہے۔ "بدائع" میں ہے:

ومنها الإسلام في نكاح المسلم المسلمة فلا ينعقد نكاح المسلم المسلمة بشهادة الكفار؛ لأن الكافر ليس من أهل الولاية على المسلم قال الله تعالى {ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا}[١]

ترجمہ:"مسلمانوں کا آپس میں نکاح درست ہونے کے لیے گواہ کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، لہٰذا کفار کی گواہی سے مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ

[١] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع كتاب النكاح ،فصل في نكاح المسلم المسلمة ،ج٢ص ٢٥٣

کافر کا مسلمان پر کوئی تسلط نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:" اور اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر گز غالب نہیں کرے گا"۔

ایک اور جگہ "ولی" بننے کی شرائط ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(ومنها) إسلام الولي إذا كان المولى عليه مسلما، فإن كان كافرا لا تثبت له عليه الولاية لقوله -: عز وجل - {ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا}

ترجمہ:" جس کی کفالت کی جاتی ہے وہ اگر مسلمان ہو تو ولی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے ،کیونکہ اگر ولی کافر ہو تو اس کا کوئی کفالت اور ولایت حاصل نہیں، کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:" اور اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہر گز غالب نہیں کرے گا"۔

" مبسوط" میں اس پر ایک دوسرے آیت کریمہ سے بھی استدلال فرمایا گیا ہے، چنانچہ اس میں ہے:

(قال): ولا ولاية للأب الكافر والمملوك على الصغير والصغيرة إذا كان حرا مسلما؛ لأن اختلاف الدين يقطع التوارث، فكذلك يقطع ولاية التزويج قال الله تعالى {والذين آمنوا ولم يهاجروا} الآية نص على قطع الولاية بين من هاجر وبين من لم يهاجر حين كانت الهجرة فريضة فكان ذلك تنصيصا على انقطاع الولاية بين الكفار والمسلمين بطريق الأولى[1]

---

[1] المبسوط للسرخسي ،كتاب النكاح باب نكاح الصغير والصغيرة ،ج٤ص ٢٢٣

ترجمہ:" نابالغ بچہ اور بچی جب وہ مسلمان ہوں تو کافر اور غلام باپ کا ان پر کوئی تسلط اور ولایت حاصل نہیں، کیونکہ دین کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان وراثت کا رشتہ ختم ہو تاہے، تو وراثت ختم ہونے کی وجہ سے نکاح کرانے کی ولایت بھی ختم ہو گی۔ باری تعالی کا ارشاد گرامی ہے:"اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں"۔ اس آیت مبارکہ میں ہجرت کرنے والے اور نہ کرنے والوں کے درمیان ولایت کا رشتہ ختم ہونے کی تصریح ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ہجرت فرض تھا تو اس سے مسلمان اور کافر کے درمیان رشتہ ولایت کا ختم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو تاہے"۔

دوسری دلیل: احادیث مبارکہ

"سنن دار قطنی" کی روایت ہے:

عَنْ عَائِذِ بْنِ عَمْرٍو الْمُزَنِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْإِسْلَامُ يَعْلُو وَلَا يُعْلَى[1]»

ترجمہ:"حضرت عائذ مزنی رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل ہے کہ: اسلام غالب ہی رہے گا مغلوب نہیں"۔

---

[1] سنن الدارقطني كِتَابُ النِّكَاحِ ،رقم الحديث: ٣٦٢٠ ،ج٤ص ٣٧١

تیسری دلیل: مختلف فقہی توجیہات

تیسری دلیل مختلف فقہی توجیہات و علل ہیں جہاں صراحت کے ساتھ تو کوئی نص مذکور نہیں ہوتا لیکن وہ علل بھی مختلف نصوص ہی سے مستنبط و مستفاد ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک وجہ یہ ذکر فرمائی گئی ہے کہ ولایت حاصل ہونے کی صورت میں ولی کا اعزاز ہوتا ہے اور جس پر ولایت حاصل ہوتی ہے، اس کی ذلت و مسکنت ظاہر ہوتی ہے، کافر کو مسلمان کے اوپر ولایت دینے کی صورت میں اسلام کی طرف اس کمزوری کے منسوب ہونے کا خدشہ یا شائبہ ہے۔ بعض یہ وجہ بھی ذکر فرماتے ہیں کہ ولایت کی بنیاد شفقت اور تحفظ مصلحت پر ہے جبکہ کافر کفر کی وجہ سے مسلمان کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔

ممنوع ولایت کا مصداق

درج بالا تفصیل سے یہ تو واضح ہو گیا کہ کافر کو مسلمان کے اوپر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے، لہٰذا اس کو مسلمانوں کے اوپر ولایت دینا شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے۔

تاہم سوال یہ ہے کہ اس ممنوع ولایت کا مصداق کیا ہے؟ کیا ہر قسم کی ولایت اس عموم کے تحت داخل ہے اور کافر کسی بھی طرح اور کسی بھی سطح پر مسلمان کے اوپر ولایت نہیں رکھتا، یا ولایت کی کوئی خاص صورت یا مخصوص سطح مراد ہے؟ درج بالا دلائل و وجوہات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کافر کسی بھی طرح مسلمان کے اوپر ولایت کا اہل نہیں ہے، لہٰذا وہ کسی بھی سطح پر مسلمانوں کا ولی یا والی نہیں بن سکتا اور چونکہ نصوص میں کوئی تحدید مذکور نہیں ہے، اس لئے اصولی نقطہ نظر سے

بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ تاہم عرب وعجم کے متعدد اہل علم اس سلسلہ میں یہ قید لگاتے ہیں کہ کافر کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنا اور اس کو اساسی نوعیت کے مناصب دینا درست نہیں ہے جس کا مفہوم مخالف یہی ہے کہ غیر کلیدی عہدے ومناصب دینا ممنوع نہیں ہے اور اس حد تک وہ مسلمانوں کے اوپر ولایت کے مجاز ہیں۔

مکرر غور وخوض کے بعد ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ تحدید اصولی اور فقہی نقطہ نظر سے درست نہیں ہے جس کی دو بنیادی وجوہات درج ذیل ہیں:

ا: جن دلائل سے اس مسئلہ پر استدلال کیا جاتا ہے (جن میں سے اہم دلائل چند سطور پہلے ذکر ہو چکے ہیں) ان میں ایسی کوئی حد بندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ ولایت کی سب صورتوں کو شامل ہیں، لہٰذا کسی قابلِ اعتماد شرعی دلیل کے سہارے کے بغیر اس طرح حد بندی کرنا اور ولایت کی بعض صورتوں کو جائز اور بعض کو ناجائز قرار دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

۲: حضرات فقہائے کرام نے ان دلائل اور وجوہات کی بنیاد پر جو جزئیات متفرع فرمائے ہیں، وہ بھی اس تحدید کے ساتھ واضح طور پر متصادم ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر چار مسائل وجزئیات لکھے جاتے ہیں جہاں فقہائے کرام نے اسی علت کی بنیاد پر کافر کو نااہل قرار دیا ہو۔

"مبسوط" میں ہے:

(قال): ولا ولاية للأب الكافر والمملوك على الصغير والصغيرة إذا كان حرا مسلما؛ لأن اختلاف الدين يقطع التوارث، فكذلك يقطع ولاية التزويج قال الله تعالى {والذين آمنوا ولم يهاجروا} الآية نص

علىٰ قطع الولاية بين من هاجر وبين من لم يهاجر حين كانت الهجرة فريضة فكان ذلك تنصيصا علىٰ انقطاع الولاية بين الكفار والمسلمين بطريق الأولىٰ[1]

ترجمہ:"نابالغ بچہ اور بچی جب وہ مسلمان ہوں تو کافر اور غلام باپ کا ان پر کوئی تسلط اور ولایت حاصل نہیں، کیونکہ دین کے اختلاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان وراثت کا رشتہ ختم ہو تا ہے، تو وراثت ختم ہونے کی وجہ سے نکاح کرانے کی ولایت بھی ختم ہو گی۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:"اور جو ایمان لائے اور گھر نہیں چھوڑا تمہیں ان کی وراثت سے کوئی تعلق نہیں یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں"۔ اس آیت مبارکہ میں ہجرت کرنے والے اور نہ کرنے والوں کے درمیان ولایت کا رشتہ ختم ہونے کی تصریح ہے، یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ ہجرت فرض تھا تو اس سے مسلمان اور کافر کے درمیان رشتہ ولایت کا ختم ہونا بطریق اولیٰ ثابت ہو تا ہے"۔

دوسری جگہ ہے:

ولا يجوز قسمة الكافر والمملوك والمكاتب علىٰ ابنه الحر الصغير المسلم؛ لأنه لا ولاية له عليه فالكفر والرق يخرجه من الأهلية للولاية علىٰ المسلم[2].

---

١ المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح ،باب نكاح الصغير والصغيرة ،ج٤ص ٢٢٣

٢ المبسوط للسرخسي، كتاب القسمة، باب الخيار في القسمة ،ج١٥ص ٤١

ترجمہ:"کافر، غلام ،اور مکاتب کا اپنے نابالغ ،آزاد، مسلمان بیٹے کا مال تقسیم کرنا جائز نہیں، کیونکہ ان لوگوں کا اس پر ولایت حاصل نہیں، کیونکہ کفر اور غلامی کے باعث وہ مسلمان پر تسلط سے محروم ہوتے ہیں"۔

اسی کتاب کی ایک اور جگہ میں ہے:

فإن كان الوصي ذميا والميت ورثته مسلمون؛ فإنه يخرج من الوصية؛ لأن في الوصية نوع ولاية ولا ولاية للكافر على المسلم[1]

ترجمہ:"اگر وصی ذمی ہو اور مرحوم کے ورثاء مسلمان ہوں تو اس کی حیثیت کالعدم ہو گی کیونکہ وصیت میں ایک گونا تسلط ہوتا ہے جبکہ کافر کا مسلمان پر کسی بھی قسم کا تسلط روا نہیں"۔

"بدائع" میں ہے:

ومنها الإسلام في نكاح المسلم المسلمة فلا ينعقد نكاح المسلم المسلمة بشهادة الكفار؛ لأن الكافر ليس من أهل الولاية على المسلم قال الله تعالى {ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا} وكذا لا يملك الكافر قبول نكاح المسلم.[2]

ترجمہ:"مسلمانوں کا آپس میں نکاح درست ہونے کے لیے گواہ کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے ،لہذا کفار کی گواہی سے مسلمانوں کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ

---

[1] المبسوط للسرخسي ،كتاب القسمة، باب قسمة الوصي على أهل الوصية والورثة ،ج١٥ص ٧٠

[2] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع كتاب النكاح ،فصل في نكاح المسلم المسلمة ،ج٢ص ٢٥٣

کافر کا مسلمان پر کوئی تسلط نہیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:" اور اللہ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ہرگز غالب نہیں کرے گا" نیز کوئی کافر کسی مسلمان کا نکاح بھی قبول کرنے کا اہل نہیں"۔

مثال کے طور پر ذکر کردہ ان جزئیات میں درج ذیل چار باتیں ذکر فرمائے گئے ہیں:

الف: کافر باپ، مسلمان بیٹے کے مال و نکاح کا اختیار نہیں رکھتا۔

ب: کافر باپ مسلمان بیٹے کی طرف سے مال وجائیداد تقسیم کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔

ج: ذمی کافر مسلمان بچوں کے اوپر وصی نہیں بن سکتا۔

د: کافر، مسلمانوں کے نکاح میں گواہ نہیں بن سکتا۔

ان چار باتوں کی وجہ یہی بیان فرمائی گئی ہے کہ کافر شخص کو مسلمانوں کے اوپر ولایت حاصل نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کو "کلیدی عہدہ" یا "اہم مناصب" قرار دیا جائے، نہ ہی ان میں سے کوئی بات ملکی یا قومی سطح کی ہے بلکہ محدود دائرہ کار کی باتیں ہیں، لیکن چونکہ بہر حال سب صورتوں میں کسی کافر کو کسی مسلمان کے اوپر ولایت و تسلط حاصل ہو رہا ہے، اس لئے اس کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا صرف کلیدی عہدوں کی حد تک ولایت کو ناجائز قرار دینا اوراس کے علاوہ ولایت کی صورتوں کی اجازت دینا کسی طرح درست نہیں ہے۔

تاریخی تناظر کا ایک اشکال وجواب

بہت سے اہلِ قلم اس پر یہ اشکال کرتے ہیں کہ اسلامی حکومت کے مختلف ادوار میں کافر لوگ مختلف مناصب پر فائز ہوتے رہے ہیں جبکہ وہاں حکومت وسلطنت بلکہ انسانیت کی قیادت سیادت کا منصب مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں تھاتو اس کو کیونکر ناجائز کہا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کوئی کام جائز ہے یا ناجائز؟ یہ شرعی احکام ہیں جن کے مصادر متعین ہیں، کسی چیز کے حکم شرعی کو متعین کرنے کے لئے شریعت کے اصل مصادر کی طرف ہی مراجعت کرنا ضروری ہے، غیر معصوم وغیر محتاط شخصیات کے ہر اقدام کو شرعی مصدر کا درجہ بڑے ہی ضلال وگمراہی کا راستہ ہے۔ لہٰذا جب شرعی دلائل کی روشنی میں کوئی چیز ناجائز قرار پاتی ہے تو کسی دور میں اس کے خلاف اقدام ہونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس کی مذمت کی جائے۔

اسی طرح بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ تو دین میں بے جا سختی ہے جو کسی طرح قابل تعریف نہیں ہے ،لوگ اس سے متنفر ہو جائیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ ہر ایسے غیر ضروری اقدام سے بچتے رہنا چاہئے جس کی بناء پر لوگ دین سے متنفر ہو جائیں، تاہم یہ اصولی بات بھی سامنے رہنی چاہئے کہ ہماری اصولی حیثیت کیا ہے؟ ہماری ذمہ داری اور دائرہ اختیار کتنا ہے؟ اگر ہم شریعت بنانے کے مکلف نہیں ہیں، صرف بتانے اور پہنچانے سمجھانے کے مکلف ہیں تو ان

تکلفات میں پڑکر اپنی عاقبت خراب کرنے کیا ضرورت ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

نرقّع دنيانا بتمزيق ديننا ... فلا ديننا يبقىٰ ولا ما نرقّع[1]

ترجمہ: "ہم اپنے دین کو چیر کر اپنی دنیا کو پیوند لگاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ نہ ہمارا دین بچتا ہے اور نہ وہ دنیا جسے ہم پیوند لگاتے ہیں"۔

اللہ تعالیٰ اس ناکارہ سمیت پوری امت مرحومہ کو فہمِ سلیم اور توفیقِ عمل نصیب فرمائیں۔

ناکارہ عبید الرحمن۔

۲۸ رجب ۴۴ھ

---

[1] بحر الدموع ص:۸۱